

قسط 4

گمشدہ محبت

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا ، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر.....



وقت دکھائی نہیں دیتا مگر پھر وہ کیا، کیا دکھا دیتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ بات ذکیہ بیگم نے سوچی بھی نہیں تھی کہ ان کی چھوٹی آپا، راحیلہ سے واقعی اتنی محبت کرتی ہیں کہ وہ اس کو اپنی بہو بنانے کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہیں۔ جیسے حالات چل رہے تھے کریم اور چھوٹی آپا کو شہلا کے سوا کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

شہلا نے کریم کی نرم گرم باتیں سن کر بارہا اسے کھری، کھری سنائی تھیں...... اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اِدھر کا راستہ بھول جاتا مگر وہاں تو یہ عالم تھا کہ گالیاں کھا کر بھی بدمزہ نہ ہوئے تھے۔ اور جب بھی آتے شہلا کو ایسی نظروں سے دیکھتے جیسے وہ کہیں کی مہارانی ہو۔

ان سب باتوں کو دیکھ کر ذکیہ بیگم نے اپنی چھوٹی آپا کے ہاں جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے گھر کی چھوٹی موٹی تقریبات تک میں وہ نہیں گئی تھیں اور اب اچانک ہی چھوٹی آپا راحیلہ کا رشتہ مانگنے یوں چلی آئی تھیں...... جیسے ان کی کوئی برسوں پرانی مراد پوری ہونے جا رہی ہو۔

''شہلا نہ سہی...... راحیلہ سہی...... مگر اپنے کریم کے لیے میں بہو تو اسی گھر سے لے جاؤں گی۔'' وہ سرشار لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''سوچ لیں آپا...... میری سانولی سلونی راحیلہ نہ کبھی آپ کو پسند رہی ہے اور نہ ہی کریم کو اور بہو بنانے کا فیصلہ بہت بڑا ہوا کرتا ہے...... یہ شادی ہے کوئی گڈے، گڑیا کا کھیل نہیں۔'' ان کے دل میں جو، جو اور جیسے، جیسے خیالات آئے تھے انہوں نے برملا اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

''ارے واہ...... ہم تو اپنے بیٹے کی فرمائش پر ہی تمہارے آگے جھولی پھیلا رہے ہیں...... کریم کہہ رہا ہے کہ راحیلہ جتنی سلجھی ہوئی لڑکی ہے اتنی تو شہلا ہے ہی نہیں......'' انہوں نے بہن سے رازداری سے کہا۔

''ہاں، یہ بات تو ہے......'' وہ سرشاری سے مسکرائیں۔ ''اور اسی بات کو بارہا میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ گھر کرنے والی لڑکیاں راحیلہ جیسی ہوتی ہیں...... شہلا کو دیکھ کر جی خوش تو کیا جا سکتا ہے مگر جو شادی کا ایک مرتبہ سوچ بھی لے ناں تو وہ چار دن بعد سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے گا۔'' وہ پھر ان کے کان میں گنگنائی تھیں۔ اور چھوٹی آپا نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے اتنا بڑا قہقہہ لگایا...... ذکیہ بیگم کی ساری پریشانیاں اس کی گونج کے نیچے ہی کہیں دب کر مر کھپ گئی تھیں۔

اب ذکیہ بیگم بے حد خوش تھیں...... خاندان بھر کا سب سے خوب صورت لڑکا ان کا داماد بننے والا تھا۔

راحیلہ خوش تھی، اسے شروع سے ہی کریم اچھا لگا کرتا تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر شہلا بھی خوش تھی۔ اور وہ اپنی پریشانیوں کو دل میں ہی کہیں سینت کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ راحیلہ سے اسے ایسی ہی محبت تھی جیسے کسی بھی بڑی بہن کو اپنی چھوٹی بہن سے ہوا کرتی ہے۔

رشتہ طے ہونے کے بعد کریم کا آنا جانا...... جو پہلے قدرے کم ہو گیا تھا بلکہ نہ آنے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ از خود بڑھ گیا...... آخر وہ اس گھر کا ہونے والا داماد تھا، بھانجا بھی تھا...... وہ جب دل چاہے آ سکتا تھا اور وہ جب بھی آتا تو اس کی آؤ بھگت ایسے کی جاتی جیسے وہ کوئی خاص الخاص مہمان ہو جس کی آمد ان کے لیے بھاگ لگانے کے مترادف تھی۔

کریم جب بھی آتا راحیلہ کے لیے گاہے بہ گاہے کوئی نہ کوئی گفٹ لے کر آتا۔

ایک دن شہلا کو اس نے ایک مشہور برانڈ کی لان کی تصاویر کا میگزین دلچسپی سے دیکھتے دیکھا تھا۔ اور اس کے اگلے دن ہی وہ اسی برانڈ کا پنک کلر کا ایمبرائڈڈ سوٹ راحیلہ کے لیے لایا تھا۔

''آپا کل آپ کو یہ سوٹ سب سے زیادہ پسند آیا تھا ناں......'' راحیلہ نے اپنا جوڑا دیکھ کر شہلا سے فوراً کہا۔

''مگر یہ جوڑا تمہارے نصیب کا ہے...... اسے میری راحیلہ پہنے گی تو اس جوڑے کی قسمت جاگ جائے

گی۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کہیں تقریر کر رہا ہو...... اور ذکیہ بیگم کو بھی، کبھی یہ اچنبھا سا بھی ہوتا کہ کہیں وہ یہ سب شہلا کو جلانے کے لیے تو نہیں کر رہا...... ایک دن شہلا کہیں باہر سے آئی تو اس کی چپل ٹوٹ گئی تھی...... جسے اس نے موچی کو مرمت کے لیے فوراً بھیج دی۔ اتفاق سے کریم بھی آیا بیٹھا تھا۔ بس اس کے اگلے دن کریم چار خوب صورت چپلیں راحیلہ کے لیے، لیے چلا آیا تھا۔

''اتنی ساری چپلیں......؟'' راحیلہ نے حیرت سے پوچھا

''گرمیوں میں لان کے سوٹ کے ساتھ چپلیں بدل، بدل کر پہنا کرنا......''

''سنیے...... میں اس میں سے دو اپنے لیے رکھ لیتی ہوں اور دو......'' باقی جملہ ابھی راحیلہ کے منہ میں ہی تھا کہ وہ اس کا مدّعا سمجھ کر بھڑک کر بولا۔

''بقیہ دو بھی تمہارے لیے ہی ہیں...... میں نہیں چاہتا میری ہونے والی بیوی ٹوٹی پھوٹی پرانی چپلیں پہنے...... اور سنو تم کسی معمولی شخص کی بیوی نہیں بننے والی ہو...... تم کریم کی بیوی بنو گی......'' اس نے اپنی طرف خود اشارہ کیا۔ ''جو تمہارے لیے آسمان سے تارے توڑ کر بھی لے آئے گا۔'' تب راحیلہ شرما کر ہنس دی تھی...... ایسا تو واقعی اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔

ایک شام شہلا خاموشی سے بیٹھی اپنی ڈائری پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی اور کریم حسبِ معمول بیٹھا چائے پینے میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک برانڈڈ شاپنگ بیگ سے ایک ریڈی میڈ سوٹ نکال کر راحیلہ کی طرف بڑھایا۔

''راحیلہ...... ذرا یہ سوٹ تو پہن کر دکھاؤ۔''

''ابھی پہن کر دکھاؤں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں ابھی......'' اور وہ کپڑے چینج کرنے چل دی...... اور کریم .... بیٹھا دھیمے سُروں میں گنگنا تا رہا۔

اور جب راحیلہ وہ کپڑے پہن کر آئی تو شہلا نے دیکھا یہ وہی سوٹ تھا جو وہ راحیلہ کے ساتھ خریدنے گئی تھی مگر قیمت زیادہ ہونے کے سبب نہیں خریدا تھا اور راحیلہ نے مذاق میں اپنے موبائل سے اس کی تصویر کھینچ کر کہا تھا۔

''چلو تصویر دیکھ کر ہی خوش ہو لیا کریں گے۔''

اور اب وہی سوٹ راحیلہ پہنے کھڑی تھی۔

''واؤ...... بہت اچھی لگ رہی ہو...... بلکہ سب سے اچھی......'' کریم کہہ رہا تھا۔

''آپا دیکھیے ناں...... میں اچھی لگ رہی ہوں...... یہ رنگ مجھ پر سوٹ کر رہا ہے کیا؟'' اب راحیلہ اپنی بہن سے پوچھ رہی تھی۔

''میری بہن ہے ہی بہت پیاری...... اس پر ہر رنگ کھلتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ کریم کے محبت بھرے جملے سن کر ان کے مابین بیٹھنا اسے کسی طرح بھی مناسب نہیں لگا تھا۔

''ارے کہاں چلی گئیں تمہاری آپا...... ان سے کہو ابھی ہمیں ان کے ہاتھ کی لسی پینی ہے...... اتنی گرمی میں چائے پلا دی ہے، کچھ تو کلیجا ٹھنڈا کرو......'' وہ اتنی زور سے بولا تھا کہ شہلا اپنے کمرے سے خود ہی کچن میں چلی گئی تھی۔

اور جب وہ ٹرے میں لسی کے گلاس رکھ کر لائی تو وہ بڑے مخمور بھرے لہجے میں راحیلہ سے گویا تھا۔

''سنو...... تم تو شاید مجھے کنجوس سمجھا کرتی تھیں ناں...... اور ایسا شخص جسے فیشن کا کچھ علم نہیں...... جسے برانڈ کا نہیں پتا...... کیا رنگ چل رہا ہے اور کس قسم کے کپڑے ان دنوں اِن ہیں ان سے میں بے بہرہ ہوں...... ہے ناں۔''

''ایسا تو میں نے کبھی نہیں کہا...... ہے ناں آپا......'' راحیلہ بولی۔

اب شہلا کیا کہتی...... یہ سب تو اس نے ہی کہا تھا۔

''اب دیکھو راحیلہ، میں اپنی امی کو بتائے بغیر تمہارے لیے روزانہ ہی کچھ نہ کچھ لے آتا ہوں کہ تمہیں دیکھے بغیر

مجھے چین جو نہیں پڑتا۔''

شہلا لسی کے گلاس ٹرے میں لیے کھڑی تھی...... اور وہ اس سے قدرے رخ موڑ کر راحیلہ سے ڈائیلاگز بول رہا تھا۔ اُسے اسی سچویشن بے حد بری لگا کرتی...... تب وہ وہیں ٹیبل پر ٹرے پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''بتاؤ ناں...... راحیلہ میرے دیے گئے تحائف پا کر تمہیں کیسا لگتا ہے؟'' کریم ہنس کر قدرے بلند لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''یہی کہ آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں...... جب ہی تو ہمہ وقت میرا اتنا خیال رکھتے ہیں.. کہ خالی ہاتھ کبھی نہیں آتے۔''

''ارے ہم سے جو نفرت کرے ہم تو اُن کا بھی خیال رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر کوئی ہماری جانب آنکھ اٹھا کر تو دیکھے......''

اور ذکیہ بیگم کو یہ سب سن کر ایسا لگا تھا جیسے وہ راحیلہ کا سہارا لے کر شہلا کو سنا رہا ہو۔ مگر ان کے تمام خدشات اس وقت ہوا ہو جاتے جب اگلے ہی لمحے وہ باہر جا کر کچھ کھانے کا پروگرام بنانے لگتا۔

''آپا جلدی سے تیار ہو جاؤ...... کسی اچھی جگہ جا کر ڈنر کریں گے۔'' تب راحیلہ معصومیت بھرے لہجے میں کہتی ور وہ پیار بھری سرگوشی میں کہتا۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا...... اپنی آپا سے کیوں کہہ رہی ہو؟''

''تو نہیں کہنا چاہیے کیا......؟'' وہ کھسیا کر پوچھتی۔

''نہیں بھئی...... صرف ہم دونوں چلیں گے اور وہاں بیٹھ کر اپنے مستقبل کے پروگرامز کی پلاننگ کریں گے۔''

''مگر اس طرح تو برا لگے گا ناں......''

''لگنے دو...... جب ان کی انگیجمنٹ ہو گی تو تم بھی ان کے ساتھ مت جانا...... بلکہ میں تو تمہیں جانے ہی نہیں دوں گا۔''

اور ذکیہ بیگم...... یہ سب سن کر پھر خوشیوں کے جھولوں میں بیٹھ کر از خود پینگیں لینے لگتیں۔

☆☆☆

وہ ان دنوں یہی محسوس کر رہا تھا جیسے وہ ایک کسی گہری کھائی میں گر پڑا ہو...... یہ ایک ناگہانی پریشانی تھی...... جس میں حارث بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

حارث اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا اس کی تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی تک نہیں تھی۔

اپنے کلائنٹس کا وہ بے حد خیال رکھنے والا منیجر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے بینک جوائن کرتے ہی سال بھر بعد فوری پروموشن تک ہو گئی۔ وہ خوش رہنے اور خوش رکھنے والا نوجوان تھا جس کی ذہانت اور خوش خلقی کے سب ہی مداح تھے۔

اور وہ ان دنوں...... جتنا بد مزاج ہو رہا تھا اس بارے میں شاید اس نے بھی کبھی سوچا نہیں ہو گا۔ چڑچڑاہٹ اس کے مزاج میں کیوں رچ گئی تھی اور اب کسی سے بھی اس کا بات کرنے کو دل کیوں نہیں چاہتا تھا۔ اس کی پریشانی کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کے ایک کلائنٹ ساجد نامی ایک شخص نے جعلسازی سے بینک سے پچیس لاکھ روپے نکال لیے تھے اور مذکورہ چیک کی روشنائی بارہ گھنٹے کے بعد بالکل صاف ہو گئی تھی...... یہ ان دنوں کی بات تھی جب اس کی برانچ کا کیشئر اپنی بیماری کی وجہ سے بینک سے جلدی جا رہا تھا...... اور حارث اس کی جگہ بیٹھ کر کیشئر کے فرائض بھی انجام دے لیا کرتا تھا...... جبکہ ہیڈ آفس سے اس بات کی اجازت نہیں ہوا کرتی کہ بینک منیجر نگرانی کے علاوہ کیشئر کے کام بھی انجام دے...... مگر کوئی ایسی بات ہوئی نہیں تھی اور لوگوں کو اچھی سروس دینے کے شوق نے اس بات کو اس کے لیے کوئی مسئلہ بھی نہیں بنایا تھا...... وہ تو اپنی برانچ کی ریپوٹیشن بڑھانے کے شوق میں ہر کام کرنے کو ہمہ

وقت تیار رہتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ جب ساجد نے اس سے کہا کہ وہ اپنا چیک بھجوا رہا ہے اسے پچیس لاکھ کی فوری ضرورت ہے، تو اس نے پہلے تو منع کر دیا کہ کیشئر جا چکا ہے اور وہ اسے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکے گا...... تب ساجد نے کہا کہ صرف چوبیس گھنٹے بعد وہ اس کی برانچ میں ایک کروڑ کی رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دے گا...... جیسے پچھلے ماہ بھی اس نے کروائی تھی...... ساجد اس برانچ کا پرانا کسٹمر تھا...... اس لیے اس نے اس کا وہ چیک کیش کر دیا جو کہ اس کے ساتھ اور بینک کے ساتھ فراڈ کے زمرے میں آتا تھا۔

بینک انتظامیہ نے یہ کیس کورٹ میں دائر کر دیا تھا...... اور ساجد صاف مکر گیا تھا کہ اس نے ایسا کوئی چیک جمع کروایا ہے۔

''سر آپ نے خود کہا تھا کہ آپ کو اپنے بزنس میں گھاٹا ہوا ہے، اس لیے آپ کو ان پیسوں کی فوری ضرورت ہے۔'' حارث کو اس کے جھوٹ پر حیرت تھی۔

''الحمدللہ میرے بوتیکز اور میرے پروڈکشن ہاؤس کے بنائے ہوئے کمرشلز بہت اچھے جا رہے ہیں...... میں تو اپنے کمرشلز میں کام کرنے والوں کو لاکھوں روپے دیا کرتا ہوں...... میرے لیے پچیس لاکھ کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔'' اور کسی حد تک یہ بات صحیح بھی تھی۔

بہر حال مقدمہ...... چل رہا تھا مگر حارث کے وہ چونا لگا گیا تھا اور بظاہر وہ سچا بھی نظر آ رہا تھا۔

ایسے تمام معاملات کی ذمے داری چونکہ بینک منیجر کی زیادہ ہوا کرتی ہے تو حارث پریشان ہو کر رہ گیا تھا...... اور وہ شخص جو ساجد کا چیک لے کر آیا تھا اس کی شکل بھی اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی...... اور حد تو یہ تھی کہ جب وہ شخص بینک میں داخل ہوا اس کی مووی بھی بینک کے کیمرے میں موجود نہیں تھی کہ بینک میں داخل ہوتے وقت وہ کسی خاتون کلائنٹ کے ساتھ لگ کر شاید داخل ہوا ہوگا...... اور مفلر میں منہ لپیٹ کر کس طرح نکل گیا ہوگا مگر اس غیر ذمے داری کے سبب حارث کا فوری ٹرانسفر کسی دوسری برانچ میں کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ مقدمہ کب تک چلنا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مقدمے کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس سے بھی سب لاعلم تھے۔ مگر بیکار کی پریشانی جس میں اس کی عزت بھی داؤ پر لگ گئی تھی۔ اس نے...... نہ صرف حارث کو پریشان بلکہ بے حد... چڑچڑا سا بھی کر دیا تھا۔

☆☆☆

دکھ جب بے عزتی کا چولا بھی پہن لیں اور اذیت دینے آجائیں تو کیسی حالت ہوا کرتی ہے۔ ندیم سر کے آفس سے اپنے کیبن تک کا سفر مجھے ایسا ہی لگا تھا۔ جیسے میں کوئی صحرا عبور کر کے آئی ہوں، پل میں تولہ پل میں ماشہ جیسا رویہ میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے...... ؟ اور کس وجہ سے ہو رہا ہے؟'' کتنی ہی دیر میں اپنا سر تھامے بیٹھی رہی تھی اور آنسو از خود گر رہے تھے۔ اور جب فرزانہ کی اپنے کیبن میں بیٹھے کسی سے فون پر لڑنے کی آوازیں باہر تک آئیں اور پھر سینہ بہ سینہ میرے پاس تک پہنچیں تو میں مزید الجھ سی گئی کہ فرزانہ جرنلسٹ کے بجائے سراغ رساں کیوں بنی بیٹھی تھی، میں سوچنے لگی کیا ٹی وی پر اپنی شکل دکھانے کے لیے...... لوگ اس حد تک بھی جا سکتے ہیں یا کسی کی مقبولیت دیکھ کر اس کو گرائے بغیر کسی کو چین نہیں ملتا۔

''ندیم خان کچھ ہی کہیں...... بے شک ناراض ہو جائیں مگر اب میں ہرگز نہیں جاؤں گی کہ جانے سے پہلے ہی فسانے بنائے جا رہے تھے۔'' اب غصہ فرزانہ پر تھا۔ ابھی میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ ان کا فون آ گیا۔

''جی فرمائیں......'' میرا لہجہ بھی نخوت بھرا تھا۔

''کول ڈاؤن...... صبا رحیم...... کول ڈاؤن...... اب تک ساری پچویشن آپ سمجھ چکی ہوں گی۔''

''یہ بات آپ اپنے آپ کو سمجھائیں...... میں کچھ سمجھنا چاہتی ہی نہیں ہوں۔'' میرا غصہ اترا نہیں تھا۔

''پلیز مس صبا...... بات کی نزاکت کو سمجھا کریں...... اس وقت فرزانہ کہیں غلط رپورٹنگ کر رہی تھی، میں سیدھے سادے انداز میں سوچنے کا عادی ہوں...... یہ گھومتے ہوئے زینوں پر چڑھنا مجھے کبھی پسند نہیں رہا ہے اور سیاست سے مجھے نفرت ہے آپ سے صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ پلیز آپ کل ٹاک شو میں چلی جایئے گا۔'' ان کا لہجہ ویسا ہی ٹھنڈا اور میٹھا تھا...... جو اُن کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

''او کے سر......!'' اس وقت میرا ان سے مزید کوئی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا...... لڑکیوں کو جاب کرتے ہوئے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر میں ٹاک شو میں شرکت کے لیے چلی گئی۔ لائیو پروگرام تھا...... اور ندیم خان اپنے آفس میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پروگرام میں شریک دیگر خواتین بھی خوب بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔ فیشن کی باتیں، رنگوں کی باتیں بڑی شدومد کے ساتھ جاری تھیں اور وہ خاموش بیٹھی...... سب کی باتیں انتہائی توجہ سے سن رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر ہال میں بیٹھے ہوئے آفس ورکر تبصرہ کر رہے تھے۔

''ارے بی بی، کچھ تو بولو...... کیا گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھی ہو وہاں...... ہر شخص ہر جگہ نہیں بول سکتا...... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا صبا کو نہیں بھیجنا چاہیے۔'' فرزانہ بہ آواز بلند بول رہی تھی...... جس کی آواز ندیم خان کے روم تک بھی پہنچ رہی تھی...... کہ وہ مانٹرینگ کیمرے میں ان سب سے بھی باخبر تھا۔

اور جب اینکر نے اس سے سوال کیا کہ ''آپ کے لیے بہار کیا معنی رکھتی ہے۔'' تو وہ بڑے وثوق بھرے لہجے میں بولی۔

''محبت کا نام ہی بہار ہے...... خوشی کے معنی ہی بہار کے ہیں...... ماں کے گلے سے لگ جانا ہی بہار کو گلے لگانا ہے...... خوشبوؤں میں مدغم ہو جانا بہار ہے...... اور جب محبت کے رنگ ہر سو نظر آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بہار آ گئی ہے۔ اور یہ کسی موسم میں بھی آ سکتی ہے۔''

''مگر محبت تو ناکام بھی ہو جاتی ہے۔'' اینکر کا سوال قدرے تیکھا تھا۔

''جی ہاں ہو جاتی ہے۔''

''اور محبت میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے؟''

''ہاں ایسا بھی ہو جاتا ہے۔''

''تو پھر آپ اسے کیا نام دیں گی......؟'' اینکر کا سوال خاصا اہم تھا...... کہ اس کی محبت کی گردان ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''تب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بہار روٹھ گئی ہے اور خزاں آ گئی ہے۔ محبت کے ساتھ جس طرح نفرت ساتھ چلتی ہے اسی طرح بہار کے ساتھ خزاں بھی ہوا کرتی ہے اور یہ خزاں اور نفرت ایک ہی جذبے کے دو نام ہیں اور جب انسان تہی دام ہو جاتا ہے تب وہ اس کی محبت کی طاقت ہی ہوتی ہے جو پژمردگی کو بھی شادابی میں تبدیل کر دیتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ آپ محبت کرنے کے حق میں ہیں؟'' اینکر نے بات کو گھما کر قدرے شوخی سے پوچھا۔

''ہاں......'' وہ برملا بولی۔

''اور آپ جس سے محبت کرتی ہیں ان کا نام تو ہمیں نہیں بتائیں گی؟''

''میں جس سے ملتی ہوں...... محبت سے ہی ملتی ہوں...... میرے نزدیک مثبت اندازِ فکر بھی محبت کے معنوں

میں آتا ہے۔''

''بہت خوب۔ پھر تو آپ کسی سے بھی نفرت نہیں کرتی ہوں گی۔''

''نفرت تو نہیں...... ہاں دکھ دینے والوں سے محبت کی کمی واقع ہو جاتی ہے...... مگر میں حتی الامکان مروت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا کرتی۔''

''مگر یہ تو مشکل کام ہے کہ جو لوگ ہمارے خیر خواہ نہ ہوں اور ہم ان سے بھی مروت سے پیش آئیں؟''

''مگر مجھے مشکل کام پسند ہیں۔''

ندیم خان دیکھ رہا تھا کہ اس کے بولنے کا انداز بے حد دلنشین تھا اور بولتے ہوئے اس کے سر کا دوپٹا کھسک کر شانوں پر آ گیا تھا بالوں کی لٹیں کشادہ پیشانی پر دمک رہی تھیں اور بولتے ہوئے وہ کھوئی، کھوئی سی لگ رہی تھی...... اور ندیم خان بغور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''ادائیں تو دیکھو ذرا...... لگتا ہے اب یہ ٹی وی کے کسی سوپ کی ہیروئن کا کردار ادا کریں گی......'' آفس کے لاؤنج میں آفس ورکرز ٹی وی دیکھ رہے تھے...... اور اس میں فرزانہ کا تبصرہ بڑا واضح تھا۔

''دیکھو...... اس نے اپنے سر سے دوپٹا جان کر اتارا ہے تاکہ بال نظر آئیں۔'' یہ ماہ رخ تھی۔

''اور اگر کسی کی محبت کھو جائے...... تو پھر بھری بہار اس کو کیسی لگے گی؟''

''خزاں کے رنگ بہار میں بھی نظر آتے ہیں...... اور جب کوئی دکھی ہو تو اس کے لیے تو بہار کیا ہر خوشی بے معنی ہو جاتی ہے......'' وہ انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''یہ بات آپ کیا کسی تجربے کے تحت کہہ رہی ہیں؟'' اینکر اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور ندیم خان کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

''میں ایک جرنلسٹ ہوں اور میرے مشاہدے کو آپ میرا تجربہ بھی کہہ سکتی ہیں۔'' اس کے بعد کس نے کیا کہا ندیم خان کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی...... وہ بس صبا رحیم کو دیکھے جا رہا تھا۔ جو آسمان کی وسعتوں میں لہراتی، بل کھاتی پتنگ کو بھی خوشی کا نام دے رہی تھی...... اور ہنستے مسکراتے ہوئے بچوں کو بھی بہار کا عنوان دے رہی تھی، اس کے نزدیک انسان کے مثبت رویے بھی پُر بہار تھے۔

''یہ لاابالی سی لڑکی اتنی سنجیدہ بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کا احساس ندیم خان کو پہلی بار ہو رہا تھا...... جو کسی مدقوق چہرے کی مسکراہٹ کو بھی بہار سے موسوم کر رہی تھی۔

اب اینکر اپنے مہمانوں کا جہاں شکریہ ادا کر رہی تھی...... وہاں صبا رحیم سے بطورِ خاص استدعا کر رہی تھی۔

''ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمارے ٹاک شوز میں شرکت کر کے اپنی خوب صورت گفتگو سے ہمارے ناظرین کو مستفید ضرور کریں گی...... واقعی مس صبا کی شرکت سے ہمیں بھی یہ احساس ہوا کہ آج بہار ہمارے بھی ساتھ تھی۔'' اور آفس کے کولیگز یہ سب دیکھ کر تالیاں بجا رہے تھے۔

''ارے بھئی یہ صبا بڑی اداکارہ ہے...... دیکھو تو سہی وہاں جا کر کیسے ڈائیلاگز بولے ہیں اس نے کہ مذاکرات میں حصہ لینے والیاں تک خاموش ہو گئیں...... واقعی سب سے بڑی طاقت حسن کی ہوتی ہے، اس کے آگے سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔'' فرزانہ کھسیا کر تبصرہ کر رہی تھی۔ ایک وقت میں بار، بار کلوز اپ دکھائے جا رہے تھے...... اور صبا رحیم کا دوپٹا اس کی گود میں گر پڑا تھا اور اس کی گردن کا تل تک اس نے دیکھ لیا تھا۔

اگلا دن سنڈے کا تھا۔ اس کی چھٹی تھی۔ صبا کا وہ ٹاک شو جتنی مرتبہ بھی ریپیٹ ہوا اس نے اسے بڑی رغبت سے دیکھا...... اور ہر مرتبہ وہ اسے نئی سی نظر آئی...... اور کچھ نئی باتیں بھی دل کو سرشار کر گئیں۔ وہ کیسے وثوق بھرے

لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''محبت اور نیکی ایسا سلسلہ ہے جو انسان کو اپنی پہچان کراتا ہے اور جب ذات کو سکون حاصل ہو تو اطمینان کی روشنی ہر طرف پھیل جاتی ہے اور یہ روشنی بھی بہار ہے۔''

ندیم خان نے اتنے شوق سے شاید کبھی ٹی وی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ ہی اتنی توجہ اور اتنی گہری نظروں سے اس نے کبھی صبا کو دیکھا تھا۔

''صبا کے بال کتنے خوب صورت ہیں...... اس کی پیشانی کیسی روشن سی ہے...... اس کی پلکیں کتنی دراز ہیں...... اس کے ہونٹوں کی محراب کتنی پیاری سی ہے...... وہ ہنستی ہے تو اس کے گالوں پر ڈمپل کتنا نمایاں ہو جاتا ہے اور پھر اس کی انگلیاں کتنی مخروطی سی ہیں...... اتنے خوب صورت ہاتھ تو شاید میں نے کبھی دیکھے ہی نہیں...... اتنی خوب صورت انگلیوں میں یاقوت اور فیروزے کی انگوٹھیاں بھی مزید بیش قیمت ہو جائیں...... اس کے چہرے پر سونے کے بڑے، بڑے، جھمکے خوب صورت لگیں گے......'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے الل ٹپ سوچے جا رہا تھا...... ''اور ایسی ہی شخصیات کے لیے کہا گیا ہے کہ اگر وہ جھمکے اتار دیں تو سونے کے دام گر جاتے ہیں......'' اپنی سوچوں پر اسے خود ہی ہنسی آئی وہ کمرے سے باہر آنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ سبین آپا آئی ہوئی تھیں اور وہ بھی شاید اماں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی یہ ٹاک شو دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھا اماں آپ نے اس لڑکی کی بے غیرتی...... اس کا دوپٹا سر سے گر کر اس کی گود میں آ گرا اور اسے پتا تک نہیں چلا...... دراصل ایسی لڑکیاں مجبوری کے طور پر دوپٹا تو لے لیا کرتی ہیں مگر وہ اس کی عادی نہیں ہوتی ہیں...... مردوں کی طرح پھرا کرتی ہیں۔''

''ہاں مجھے تو لگتا ہے کچھ دنوں بعد اب دوپٹا مرد لینا شروع کر دیں گے...... کان میں ٹاپس تو پہننے ہی لگے ہیں۔'' اماں بھی مذاق کے موڈ میں تھیں...... وہ بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اس ٹاک شو میں دوسری خواتین بھی بات کر رہی ہیں...... مگر یہ صبا رحیم کی باتیں تو مجھے کچھ زیادہ ہی افلاطونی لگ رہی ہیں...... جیسے انہیں ساری دنیا کی خبر ہے...... مگر افسوس کہ انہیں اپنی خبر نہیں کہ بے غیرتوں کی طرح بغیر دوپٹے کے سڑک پر بیٹھی ہیں۔'' سبین کا لہجہ تحقیر آمیز تھا... ندیم خان کے دل پر چوٹ سی لگی۔

''مگر بیٹا...... وہ تو ٹی وی پروگرام میں شریک ہے...... سڑک پر تو نہیں بیٹھی......'' اسے اماں کی بھی آواز سنائی دی۔

''اماں یہ ٹی وی پروگرامز...... ہر گھر میں دیکھے جا رہے ہیں...... ہر سڑک پر بنے ہوٹل میں، ڈھابے میں، پان سگریٹ کے کھوکے میں...... چارپائی ہوٹلز میں...... تو وہ سب لوگ اسے اس حلیے میں دیکھ کر محظوظ بھی تو ہو رہے ہوں گے ناں...... اب لوگ باتوں سے زیادہ تو چہرہ دیکھا کرتے ہیں۔''

''ہاں بیٹا...... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو......'' اماں بھی سبین آپا کی رائے سے اتفاق کر رہی تھیں۔

اور سبین آپا کا تبصرہ کسی صورت ختم ہی نہیں ہو رہا تھا اور پتا نہیں ان کا لہجہ بھی اتنا تلخ کیوں تھا۔

''اُفوہ...... یہ محترمہ باتوں میں تو کیسے زمین، آسمان کے قلابے ملا رہی ہیں اور اپنی چوٹی کھل کر منہ پر آ رہی ہے...... اس کا انہیں پتا تک نہیں ہے......'' اور بھی وہ پتا نہیں کیا کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ راز داری میں اور کچھ دھیمے لہجے میں...... مگر ان کی کوئی بھی بات سننے کا اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اپنے کمرے سے لاؤنج میں آنے کے بجائے اپنے کمرے سے ملحق دروازے سے باہر نکل گیا...... اور اب اس کی گاڑی کسی مال کی جانب رواں دواں تھی۔ جہاں سے اس نے ڈھیر سارے اسکارف لینے تھے۔

مگر کیوں لینے تھے، کس کے لیے لینے تھے اور اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ سب جانے بغیر...... وہ دھیمے لہجے

میں گنگناتے ہوئے گاڑی چلاتا ہوا جارہا تھا...... اور بے حد خوش تھا۔

''ہمارے ایک کلائنٹ نے اسکارف کا بزنس اسٹارٹ کیا ہے...... انہوں نے آفس کی خواتین کے لیے بھی اسکارف بھجوائے ہیں......'' ندیم خان نے آفس میں موجود لڑکیوں کو اپنے کمرے میں بلا کر اسکارف دیتے ہوئے کہا۔

''سر یہ تو بہت اچھے اسکارف ہیں...... اگر ہمیں اور چاہیے تو ہمیں کہاں سے دستیاب ہوں گے......'' ماہ رخ نے پوچھا۔

''یہ تو بطور گفٹ آئے ہیں اس لیے یہ مجھے نہیں معلوم......'' ندیم خان اپنی بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

دفتر میں کام کرنے والی لڑکیوں کی تعداد گیارہ تھی اور وہ سب ہی ندیم خان کے روم میں جا کر اسکارف کا پیکٹ لے آئی تھیں مجھ سے بھی کہا تھا مگر میں اسکارف لینے کے لیے ان کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔

''صبا تم نے نہیں لیا اسکارف......؟'' ناعمہ نے مجھ سے پوچھا۔

''میں تو سر پر دوپٹا لے لیتی ہوں...... اسکارف لیتی ہی نہیں ہوں...... تو کیا فائدہ لینے کا......''

''وہ تو میں بھی نہیں لیتی مگر مفت میں مل رہا ہے تو کیا برا ہے۔'' ناعمہ نے ہنس کر کہا۔

''مگر مجھے ایسی چیزیں جمع کرنے کا شوق نہیں ہے۔ جنہیں میں استعمال ہی نہیں کرتی......''

دو دن بعد میں جب کسی کام سے ندیم خان کے کمرے میں گئی تو بات کرتے ہوئے میرا جارجٹ کا دوپٹا پھسل کر کاندھوں پر آ گیا۔

''ایک بات کہوں مس صبا آپ سے......؟''

''جی......'' میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں ویسے تو یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے...... اور مجھے اس بارے میں کچھ کہنا بھی نہیں چاہیے......'' وہ جملہ کہنے کے بعد رکا۔

''جی کہیے آپ......'' مجھے اس کی ادھوری بات سے الجھن سی ہو رہی تھی۔

''اگر آپ باقاعدگی سے اسکارف لیا کریں تو اس کے اثرات ہمارے آفس پر بھی آئیں گے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ دیگر لڑکیاں میری نقالی کریں گی......'' میں نے قدرے الجھ کر کہا۔

''میری امی کہتی ہیں کہ اگر لڑکیاں اپنے بال ڈھانپ کر رکھیں تو ان کے بالوں کو نظر نہیں لگا کرتی......''

''مگر میں تو آتے جاتے اپنے دوپٹے سے اپنے سر کو کور رکھتی ہوں۔''

''مگر ریشمی دوپٹے سر سے پھسل جایا کرتے ہیں......'' اس نے میرے ہاتھوں پر آئے ہوئے دوپٹے کو دیکھ کر کہا۔

''اوکے۔'' میں نے کچھ سوچ کر کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں گھر جاتے وقت ہمارے کلائنٹ کی جانب سے آنے والے اسکارف آپ بھی لے جائیے گا۔''

''اوہ تو یہ بات ہے...... دوست کے بزنس میں کہیں آپ کا شیئر تو نہیں ہے...... جو آج آپ پرسنل میٹر پر بھی بات کرنے لگے۔'' میں جاتے ہوئے پلٹ کر بولی۔

تو ندیم خان نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا...... حالانکہ اس وقت اس کا دل کھلکھلا کر ہنسنے کو چاہ رہا تھا۔

گھر آ کر، جب میں نے وہ بیگ اپنے بیڈ پر الٹا تو ڈھیر سارے رنگ برنگے اسکارف بیڈ پر پھیل گئے تھے۔

''اتنے سارے اسکارفس...... کہیں وہ غلطی سے اپنے گھر لے جانے والا بیگ مجھے تو نہیں دے بیٹھے؟''

مجھے یاد آیا...... آفس کی کولیگز کو تو ایک، ایک اسکارف دیا گیا تھا...... اور میں نے غلطی سے وہ بیگ اٹھا لیا...... جو شاید میرا تھا ہی نہیں اسی لمحے میں نے انہیں فون ملایا۔

''سر...... پلیز مجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔'' میں بغیر تمہید کے بولی۔

”کیسی غلطی ؟“ لہجہ بے تکلف سا تھا۔

”میں چھٹی کے وقت آپ کے روم میں آئی تھی...... آپ کسی گیسٹ سے بات کر رہے تھے اور مجھے دیکھ کر جس بیگ کی طرف اشارہ کیا تھا میں شاید غلطی سے کوئی دوسرا بیگ اٹھا لائی ہوں...... اس میں تو پورے درجن بھر اسکارف ہوں گے۔“

”اچھا مجھے معلوم نہیں......“ وہ ہنسا۔

”میں اس میں سے ایک رکھ لیتی ہوں...... اور باقی کل آپ کو لا دوں گی۔“

”مگر میں تو اسکارف استعمال نہیں کرتا، میرے لیے تو وہ بیکار ہیں......“

”میرا مطلب ہے گھر میں اپنی کسی بہن، بھانجی کو دے دیجیے گا۔“

”بہن عبایا لیتی ہیں اور بھانجی کوئی ہے ہی نہیں......“

”تو پھر اتنے سارے اسکارف کا میں کیا کروں؟“

”میں نے تو سنا تھا جو لوگ اسکارف لیتے ہیں ان کے پاس بہت سارے اسکارف ہوتے ہیں صرف ایک تو نہیں ہوتا......“

”مگر آپ نے آفس میں میری کولیگز کو ایک، ایک اسکارف دیا ہے ناں!“

”میں نے بتایا تھا کہ یہ اسکارف ہمارے ایک کلائنٹ نے بھیجے تھے اور ظاہر ہے کہ نہ میں نے بغور دیکھا اور نہ انہیں گنا...... سب کو ایک، ایک دیتا گیا...... آخر میں رہ جانے والے کو یا تو ملتا ہی نہیں ہے اور یا پھر فائدہ ہو جاتا ہے۔“

”اوہ...... تو یہ بات ہے...... مگر فرزانہ کو پتا چلے گا تو وہ تو باتیں بنا ڈالے گی......“ دل کی بات فوراً ہی لبوں پر آ گئی۔

”مس صبا رحیم...... اپنی ہر بات اپنے کولیگز سے تو نہیں کی جاتی ناں......“

”تو پھر یہ سارے اسکارفس میری خالہ نے دیے ہیں۔“ کچھ سوچ کر میں بے اختیار بولی۔

”خالہ نے دیے ہیں یا کسی خالہ زاد نے...... آپ جو دل چاہے کہیں......“

”میری خالہ کی تو شادی ہی نہیں ہوئی ہے تو کوئی خالہ زاد کہاں سے آ سکتی ہے......“ میں روانی میں بولتی چلی گئی...... اور وہ من ہی من میں خوش ہوتا رہا۔ امی کہتی تھیں کہ میں زیادہ بولتی ہوں...... جبکہ میرا خیال تھا کہ میں زیادہ نہیں بلکہ اپنی بات مکمل کیا کرتی ہوں...... مگر امی مجھے باتونی کہتیں۔

اور پھر ایک دن وہ آئندہ منگل ہونے والی میٹنگ میں رکھنے والے نکات نوٹ کرتے ہوئے کسی بات پر اپنی رائے دیتے ہوئے بولتی چلی گئی تھی کہ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔

صبا رحیم کو تو شاید پتا بھی نہیں چلا تھا...... کہ وہ کیا کچھ بتا گئی ہے...... مگر...... اس کی باتوں کی ریل پیل میں ایک کام کا نکتہ ندیم خان کے ہاتھ میں آ گیا تھا کہ پچیس اپریل کو اس کی سالگرہ ہوتی ہے...... اور اپنی سالگرہ اس نے اپنے والد کے انتقال کے بعد سے منائی ہی نہیں تھی۔ کم و بیش دس سال ہو گئے تھے اور نہ ہی کبھی اس کا دل چاہا تھا اور نہ ہی وہ آئندہ کبھی منائے گی...... اور پھر اگلے دن آفس میں ندیم خان نے اس کی اس بات کو اسی طرح بے پروائی سے سنا تھا جس طرح کہ وہ اسے سنا رہی تھی...... بلکہ وہ اپنے پرس میں رکھا کوئی گفٹ پیون کو دے کر اچھا سا پیک کروانے کو بھی کہہ رہی تھی...... کہ اس کی یونیورسٹی کی ایک دوست کی سالگرہ تھی...... اور وہ اسے اس کی پسند کی امیٹیشن بالیاں دے رہی تھی۔

”کیا لڑکیاں اپنی سالگرہ کے گفٹ کے بارے میں پہلے سے بتا دیا کرتی ہیں......“ اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا...... اور اپنا کام بھی جاری رکھا...... کہ اس وقت وہ ایک مصروف سیاست دان کی پریس کانفرنس کی تصاویر لگانے کے لیے سلیکٹ کر رہا تھا۔

”ہاں چھچھوری قسم کی لڑکیاں بتا دیا کرتی ہیں...... تا کہ ان کے پاس من پسند گفٹ جمع ہو جائیں یا پھر کلوز فرینڈ

بتادیا کرتی ہیں۔''

''اور آپ......؟'' جملہ ادا کر کے وہ مزید بے پروائی پوز کرتے ہوئے اپنا رخ بھی مزید ترچھا کر بیٹھا تھا۔

''میری کیا بات کر رہے ہیں آپ...... میں تو سالگرہ ہی نہیں مناتی......'' لہجہ اس کا تمسخر ابھرا تھا کہ اس کا ذکر کہاں سے آ گیا۔

''ہاں آپ تو خیر مناتی ہی نہیں ہیں...... مگر زیادہ تر لڑکیاں اپنی سالگرہ میں کس قسم کے گفٹس لینا پسند کرتی ہیں......'' آخر پوچھنا بھی تو تھا۔

''کسی کو دینا ہے کیا......؟'' وہ ذرا سا رک کر ہنسی...... یوں جیسے جلترنگ سے بج گئے ہوں۔

وہ ہنس دیا...... مگر کچھ بولا نہیں......

''زیادہ تر لڑکیاں میک اپ کا سامان جیولری اور بیگز وغیرہ استعمال کرتی ہیں اور وہ چاہتی ہیں یہی چیزیں انہیں سالگرہ میں بھی ملیں...... اور بعض لڑکیاں تو اپنی سالگرہ ایک سال میں دو مرتبہ بھی منا لیتی ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اُف اتنی لالچی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں...... توبہ، توبہ۔'' وہ بھی تمسخرانہ انداز اپنائے ہوئے تھا...... اس کی باتوں میں اسے واقعی مزہ آ رہا تھا۔

''ان کا یہ موقف ہوتا ہے کہ وہ اپنی سالگرہ اسلامی تاریخ کے حساب سے مناتی ہیں اور عیسوی تاریخ کے حساب سے بھی اور میری ایک سہیلی تو اپنی منگنی کی سالگرہ بھی مناتی ہے۔ خیر اس میں تو وہ اپنے فیانسی کو ہی بلاتی ہے۔''

''اچھا...... وہ لڑکیاں جو اپنی پسند کے بارے میں کسی کو بتاتی نہیں ہیں...... وہ اپنی سالگرہ میں کس قسم کے گفٹس لینا پسند کرتی ہیں......؟'' اس نے ہنوز اپنی نظریں نیچی رکھتے ہوئے پوچھا...... لہجہ ایسا عام سا تھا جیسے کہہ رہا ہو...... ''کہ آج گرمی، کل کے مقابلے میں زیادہ ہو رہی ہے ناں......''

''سر خیریت تو ہے ناں...... کسی کو کوئی گفٹ دینا چاہتے ہیں...... پتا نہیں کیوں مجھے آج ایسا لگ رہا ہے۔'' بے خبر ہو کر بھی وہ باخبر تھی۔

''نہیں بھئی، نہ مجھے کسی سے گفٹ لینے میں دلچسپی ہے اور نہ دینے میں...... میں تو ایک عام سی بات پوچھ رہا ہوں۔''

''مجھے تو خوب صورت سی بندیا بہت اچھی لگتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''بندیا کس کو کہتے ہیں......'' اب وہ تصویر ہاتھ میں لیے اسے حق دق سا دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات سمجھنے کے باوجود...... وہ حیران تھا۔

''چھوٹا سا ٹیکا ہوتا ہے مگر مجھے دل کی شکل کی جڑاؤ بندیا پسند ہے...... اس کو پہن کر ہر لڑکی بے حد خوب صورت لگتی ہے......''

''تو پھر آفس پہن کر کیوں نہیں آئیں......'' اب وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ تو بندیا پہنے بغیر ہی بندے کا دل ہاتھ میں لینے کا ہنر جانتی تھی...... اور اگر بندیا پہنے ہوتی تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔

''نو سر...... یہ تو خاص مواقع پر لینے والی چیزیں ہیں...... جیسے عید جیسے کسی دوست کی شادی...... جیسے کسی دوست کی انگیجمنٹ جیسے کسی......''

''تو کیا لڑکیاں یہ بناؤ سنگار دوسروں کی تقریبات میں کیا کرتی ہیں......'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''پتا نہیں...... میں تو ایک عام سی بات بتا رہی تھی...... بہت سی چیزیں اچھی ہوتی ہیں، اچھی لگتی ہیں مگر پھر بھی ان کو استعمال کرنے کو دل نہیں چاہتا......'' کچھ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اس وقت آپ کو اپنے مرحوم والد یاد آ گئے ہیں ناں......؟''

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹشو سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔
اگلے دن اس کے آنے سے پہلے وہ آفس میں ایک میٹنگ کے دوران بتا رہا تھا...... ''سر فرید یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ادارہ آپ سب کی خوشیوں میں اس طرح شریک ہو جیسے.. آپ کے اپنے گھر والے شریک ہوا کرتے ہیں۔''
''جب ہی کل وہ مجھے میرے والد سے زیادہ ڈانٹ رہے تھے۔'' صفدر بولا۔
''سر فرید کا یہ کہنا ہے اب ہمارا یہ اخبار آپ سب کی سالگرائیں یہاں آفس میں ہی منایا کرے گا۔''
''صرف سالگرہ ہی منایا کرے گا...... یا گفٹ بھی دے گا۔''
''ہاں چھوٹا موٹا گفٹ بھی دیا جائے گا مگر ہر سالگرہ...... اپنے حساب سے منفرد ہوا کرے گی۔''
''اب میری سالگرہ گزر گئی تو سر فرید کو یہ خیال آیا ہے، کیا دو ماہ پہلے ان کو خیال نہیں آسکتا تھا......'' فرزانہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
''میرے خیال میں اپریل میں تو شاید ہمارے کسی ورکر کی سالگرہ نہیں ہے، ہاں مئی میں ہمارے ساتھی ورکر نور کی سالگرہ ہے...... بیس مئی کو اس کو ہم خوب دھوم دھام سے منائیں گے...... بلکہ اس کی پلاننگ مئی کے فرسٹ ویک سے شروع کر دیں گے...... تا کہ سب یہاں دل لگا کر خوشی، خوشی کام کریں۔''
''سر اپریل میں تو مس صبا رحیم کی سالگرہ ہوتی ہے...... پچیس اپریل کو۔'' صفدر نے بتایا۔
''مگر وہ صاحبہ تو سالگرہ کے خلاف ہیں...... اور نہ ہی وہ مناتی ہیں......'' فرزانہ نے اطلاع دی۔
''یس سر...... ایک مرتبہ صبا نے مجھے بھی بتایا تھا کہ اس نے دس سال سے اپنی سالگرہ منائی ہی نہیں ہے......'' ناعمہ نے بتایا۔
''اب سالگرہ کوئی تہوار تھوڑی ناں ہے کہ اگر نہ منایا جائے تو اس پر تاسف کا اظہار بھی کیا جائے......'' فرزانہ کو صبا کی سالگرہ سے متعلقہ کوئی بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
''ٹھیک ہے...... جیسا کہ صفدر نے بتایا کہ پچیس اپریل کو مس صبا کی سالگرہ ہے تو اب آپ سب مس صبا کی سالگرہ منائیں گے...... مگر اس انداز میں کہ انہیں پتا نہیں چلے اور اس سالگرہ کی انچارج مس ناعمہ ہوں گی...... وہی آپ کو اس دن کا ڈریس کوڈ بتائیں گی...... اور ساری تیاری کریں گی...... خیال رہے کہ یہ اس ادارے کے کسی ورکر کی پہلی سالگرہ ہے...... اچھی طرح سے منائی جائے تا کہ دیگر لوگوں کو بھی اس قسم کی خوشیاں مہیا کی جائیں......''
ناعمہ یہ سب سن کر بہت پُرجوش تھی...... جون میں اس کی اپنی سالگرہ تھی...... اور اگر پہلی سالگرہ اس ادارے میں شاندار ہو جائے تو لامحالہ دوسروں کی بھی ہوں گی...... تو کیا مضائقہ تھا صبا کی سالگرہ کو وہ خوب شاندار بنا دے۔
''اوہ...... کیا اب سارے ورکرز کی اسی طرح کی سالگرائیں ہوا کریں گی......'' ساجد نے بے تابانہ لہجے میں پوچھا...... ''یا صرف یہی۔''
''جی ہاں، سب کی......'' ندیم خان کا لہجہ بھی مسکرا رہا تھا۔
''سر میرے پاس بہت سی سجیشنز بھی ہیں...... اس سلسلے میں......'' ناعمہ نے بے حد سرشار انداز میں کہا۔
''اب آپ انچارج ہیں تو یہ اب آپ کی ہی ذمے داری ہے......'' ندیم خان نے اسے چڑھایا۔
''اگر یہ انچارج بنیں تو پھر تو بہت اچھی ہو گئی......'' فرزانہ نے نخوت سے کندھے اچکائے۔
''تو کیا آپ انچارج بننا چاہتی ہیں؟'' صفدر نے اپنی ہنسی داب کر فرزانہ سے پوچھا۔
''یہ میں کب کہہ رہی ہوں......'' لہجہ اترایا ہوا سا تھا۔
''تو بھئی جو کام کرنا چاہتا ہے...... اور دل کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے تو اسے کرنے دو......'' صفدر کی حمایت

جاری تھی۔

''میرا انتظام دیکھ کر..... تم بھی نہ حیران ہوئیں تو کہنا۔'' اب ناعمہ کو بولنا ہی پڑ گیا تھا۔

''ڈیئر گائز..... میں اور فرید تو صرف تالی بجانے والے افراد کی طرح شرکت کریں گے..... اب آپ اپنے اس ایونٹ کو کتنا کامیاب بناتے ہیں اور کیسے اور کس طرح یہ آپ ہی لوگ جانیں کہ سالگرہ تو اب سب کی ہوا کرے گی.....''

''اور سب نے ہی اس میں حصہ لینا ہے، اور بتا دینا ہے کہ انشاء اللہ ہر سالگرہ ایسی ہی ہوا کرے گی کہ سب کو دلی خوشی محسوس ہوگی.....'' ناعمہ نے ان کا جملہ سرشاری کے ساتھ مکمل کیا تو سب تالیاں بجانے پر مجبور ہوگئے۔

فرید سر..... بے حد سرشار تھے..... اور وہ ندیم خان سے انتہائی فخر سے کہہ رہے تھے۔

''یار..... میں نہیں کہتا تھا کہ تیرے یہاں آنے سے تبدیلی آجائے گی تو دیکھ تبدیلی آچکی ہے..... ماشاء اللہ، ماشاء اللہ میرا اخبار اس ماہ اتنی تیزی سے بڑھا ہے کہ دیکھو اس کی ڈیمانڈ میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے..... نیٹ پر جو پڑھا جا رہا ہے اس کے ریڈرز علیحدہ ہیں..... مگر جو یہاں مقبول ہو رہا ہے اس کی بات ہی علیحدہ ہے۔''

''نہیں دوست..... میں ابھی مطمئن نہیں ہوا ہوں..... اخبار ایسا ہو جسے سب پڑھیں..... جس کو پڑھے بغیر کسی کو چین نہ آئے..... اور وہ اپنے قارئین کی زندگی کا جز اس حد تک بن جائے کہ وہ ناشتا بعد میں کریں اور پہلے اخبار کو دیکھیں.....''

''اس حد تک جانا..... شاید مشکل ہو جائے.....'' فرید سر سوچتے ہوئے بولے۔

''مشکل راستے طے کر لیے جائیں تو مشکل بھی مشکل نہیں رہتی.....'' یہ ندیم خان کا گمان نہیں بلکہ یقین تھا۔

اور اب وہ صبا کے بارے میں یہی سوچ رہا تھا کہ جو اس کے دل کو اچھی لگی ہے..... اب وہ اس کے گھر والوں کو بھی ضرور اچھی لگے گی..... کیونکہ اس سے باتیں کرتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے، اسے سوچتے ہوئے..... اس کے دل میں پھول سے کھلنے لگتے تھے..... جن کی مسحور کن خوشبو..... اس کو سرشار سا رکھا کرتی تھی۔

اور پھر اگلے دن وہ گلابی سوٹ کے ساتھ گلابی اسکارف میں بالوں کو لپیٹے آفس آئی تو اسے ایسا لگا کوئی اپسرا آگئی ہو۔

''سر ندیم سے تو تم نے اسکارف نہیں لیا تھا..... پھر کہاں سے خرید لیا تم نے..... اور اسکارف ناپسند کرنے کے باوجود پہن کر بھی چلی آئیں۔''

''اسکارف مجھے ناپسند کبھی نہیں تھے بس عادت نہیں تھی..... آج پہنا ہے تو دعا کرو کہ عادت بھی پڑ جائے پھر باقاعدہ پہن کر آیا کروں گی.....'' میں نے کہا۔

''ارے بھئی اب تو ان کا بھی فیشن ہوگیا ہے..... لوگ اب اپنے کپڑوں سے زیادہ اسکارفس پر پیسے غارت کرنے لگے ہیں.....'' یہ ناعمہ تھی۔

''اگر کوئی اچھا فیشن ہے تو اس پر عمل پیرا ہونے کا مضائقہ تو نہیں..... ہم لوگ برے فیشنوں پر بھی تو اندھا دھند پیسے خرچ کرتے ہیں.....'' میری بات ایک عام سی تھی مگر ماہ رخ کو بری لگی۔

''یہ سب تم مجھے کہہ رہی ہوں ناں..... کیا میں جانتی نہیں ہوں.....''

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے..... تمہیں کچھ کہنے لگی..... تم جو مرضی پہنو یہ تمہارا حق ہے۔''

''اور میرے کپڑوں کا جو تم سرے عام مذاق اڑایا کرتی ہو.....''

''تم سے یہ کس نے کہا.....؟'' مجھے حیرت تھی ایسی بات تو میں نے کبھی نہیں کہی تھی۔

''کسی نے نہیں کہا..... میری غیر موجودگی میں جو تم کہا کرتی ہو..... وہ سب مجھے پتا چل جاتا ہے..... میرے

بھی اپنے ذرائع ہیں...... جو مجھے رائی سے رتی تک کی سب اطلاع دیتے ہیں......'' اس نے یہ سب فرزانہ کو کانی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر انہوں نے شاید اپنی آرا سے تمہیں باخبر نہیں رکھا ہوگا......'' میں نے عین فرزانہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

تب فرزانہ کی حالت اتنی پتلی تھی کہ مجھے دیکھ نہیں پا رہی تھی اور ماہ رخ اسے دیکھ کر عجیب کش مکش کا شکار تھی۔

بعض دفعہ زندگی میں ایسی سچویشنز ضرور آجایا کرتی ہیں...... جس میں کچھ کہے بنا بھی اپنا دفاع ہو جاتا ہے۔

اور پھر پچیس اپریل کا دن آ گیا۔ پیر کا دن تھا...... آج ماہانہ میٹنگ گیارہ بجے ہونی تھی...... میں اپنا پورا ہوم ورک کر کے آئی تھی کہ میٹنگ کے دوران کہیں بھی کوئی ابہام نہ رہنے پائے مگر اس کے باوجود میں اپنے آپ کو ان ایزی سا فیل کر رہی تھی۔

اور اس کی ذمے دار ناعمہ تھی...... جس کے کہنے پر میں ڈارک گاجری گلابی شیفون کا سوٹ پہن کر آئی تھی...... جس کے دوپٹے پر چھوٹے، چھوٹے کامدانی کے پھول بھی بنے ہوئے تھے۔

ناعمہ کو میں نے منع بھی کیا تھا کہ آفس سے واپسی پر اس کی کزن کی ڈھولکی میں نہیں جاسکتی...... اور نہ ہی آفس میں اس طرح کا فینسی سوٹ پہن کر آسکتی ہوں...... مگر وہ ناعمہ ہی کیا جو اپنی بات منوانے کے لیے قسما قسمی تک پر نہ اتر آئے اور یہ تک باور کرا دے...... کہ اس کی کزن نے اسے بطورِ خاص بلوایا ہے اور وہ اس کی تحریروں کی اتنی زبردست فین ہے کہ اتنی تو شاید وہ اپنے فیانسی کی بھی نہیں ہوگی...... جس پر صبا نے غصے تک کا اظہار کر ڈالا تھا کہ اسے ایسی بے وقوفی کی باتیں پسند نہیں......

اور اب میں بے گانی ڈھولکی کے لیے خواہ مخواہ تیار ہو کر آنے پر خود ہی نادم سی ہو رہی تھی۔ مجھے آفس میں سادگی سے آنا پسند تھا...... اس طرح سج بن کر آنا مجھے بھی پسند نہیں تھا۔ فائل سنبھالتی ہوئی اپنے کیبن میں گئی تو وہ لاک تھا...... میں پہلے ہی خفت سی محسوس کر رہی تھی اپنا کیبن بند دیکھ کر سر ہی گھوم گیا......'' اب اس سوٹ میں ہر جگہ گھوموں گی کیا؟'' فرزانہ کے کیبن میں گئی تو وہ بند...... ناعمہ کا بند، ساجد کا بند...... حد تو یہ تھی کہ ساجد، صفدر اور نور کا کیبن بھی بند...... پیون کو جاتا دیکھا تو اس سے پوچھا۔

''شاکر بھائی یہ سب کیبنز بند کیوں ہیں...... اور سب لوگ ہیں کہاں......؟''

''وہ سب بڑے ہال میں ہیں...... کوئی آنے والا ہے شاید......'' وہ کہتا ہوا چل دیا۔

''آخر کون آنے والا ہے...... جس کا مجھے علم بھی نہیں......'' یہی سب میں سوچتی ہوئی ہال کی جانب چل دی...... جو خاص الخاص مواقع پر استعمال کیا جاتا تھا...... مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا...... بلکہ اندھیرا سا تھا...... جیسے وہاں کسی نے آنا بھی نہ ہو...... ''شاید پیون کی اطلاع غلط تھی......'' میں نے دل میں سوچا۔

''آج کیا اخبار کی چھٹی ہے جو کوئی آیا ہی نہیں...... اور میں خواہ مخواہ اکیلی ہی چلی آئی......'' یکبارگی میں نے کہا...... یہ بات میں نے اپنے آپ سے کہی تھی...... مگر آواز شاید بلند تھی۔

ایک دم ہی ساری لائٹس جل گئیں...... اور ڈھیر ساری رنگ برنگی چمکیلی اور گلاب کی پتیاں مجھ پر گرنے لگیں۔ میں تو سراسیمہ سی رہ گئی...... اب سب میرے آفس کے ساتھی تالیاں بجاتے ہوئے میرے گرد دائرے کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔

''یہ سب کیا ہے......؟'' ایک بڑا سا بوکے...... جب ناعمہ نے مجھے دیا تو میں نے اس سے پوچھا...... اور سب کو بغور بھی دیکھا...... ساری لڑکیاں اور سب لڑکے سفید ڈریس میں تھے...... ہاں ندیم خان بلیک جینز پر لائٹ پنک شرٹ میں تھے اور سر فرید تو سفاری سوٹ پہننے کے عادی تھے۔ ان سب کے لائٹ ڈریس میں میرا ڈارک

سوٹ بے انتہا نمایاں ہو رہا تھا اور میں واقعی ہراساں سی ایک، ایک کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔

''آج پچیس اپریل ہے..... اور تمہاری سالگرہ ہے..... اور آج سالگرہ..... ہم سب مل کر منا رہے ہیں..... اللہ کرے تمہاری یہ سالگرہ اس سال ڈھیر ساری خوشیاں لائے۔'' اس نے دعا دی۔

''مگر میں نے تو اپنی سالگرہ.....''

''پچھلے کئی سالوں سے نہیں منائی.....'' ندیم خان نے اس کا جملہ مکمل کیا۔

''یس سر..... واقعی نہیں منائی.....'' میں نے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''مگر آپ کو اس ادارے کو جوائن کیے یہ پہلا سال ہے..... اور اس لحاظ سے یہ پہلی سالگرہ ہے.....''

اب میں نے اپنی آفس کے ساتھیوں کو دیکھا جو سب کے سب سفید سوٹ میں تھے اور ان سب میں میرا گلابی لباس بے حد نمایاں لگ رہا تھا..... اور میرے سب ساتھی میرے ارد گرد خوب ہلا گلا کر رہے تھے۔ میں سب کے ساتھ ہنسنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کے گولے میرے حلق میں اٹک رہے تھے۔

آفس کے یہ سب لوگ، جو آفس کی معمولی، معمولی باتوں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اوٹ پٹانگ حرکتیں بھی کر جایا کرتے تھے مگر آج وہ سب میری خوشی کے لیے ایک لباس میں ملبوس..... خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

''آپ سب کا بہت، بہت شکریہ.....'' میں رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''شکریہ کس بات کا..... اگلے ماہ نور کی سالگرہ ہے..... اس کی انچارج فرزانہ ہوں گی.....'' ندیم خان نے کہا۔

''نو سر..... فرزانہ صرف ساجد کی سالگرہ کے اہتمام کے لیے انچارج بنیں گی.....'' ناعمہ نے کہا تو سب ہی ہنس پڑے۔

بڑے اچھے ماحول میں پُرتکلف لوازمات کے ساتھ چائے پی گئی۔

اور چلتے سمے جب ندیم خان نے مجھے ایک مخملی ڈبا خوب صورت پیکنگ میں دیا تو میں حیرت سے بولی۔

''سر، یہ کیا ہے.....؟''

''ادارے کی جانب سے آپ کی سالگرہ کا گفٹ.....''

''آپ لائے ہیں.....'' کچھ سوچ کر میں نے پوچھا۔

''نہیں..... فرید نے اپنی بیوی سے منگوایا تھا..... مجھے بھی یہ نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے..... مگر فرید کہہ رہا تھا کہ اس کی بیوی کو گفٹس خریدنے کا بہت قرینہ ہے اور ان کی چوائس ہمیشہ لاجواب ہوتی ہے اور یہ تو آپ کل بتائیں گی کہ فرید جھوٹا نہیں ہے۔''

''مگر ناعمہ نے سب کی جانب سے بوکے دے تو دیا تھا تو اب اس کی ضرورت کیا تھی.....'' میں لینے میں متذبذب سی ہو رہی تھی۔

''مس صبا رحیم..... خوشی کو خوشی کی طرح مناتے ہیں، اگر آپ کسی کی خوشی میں شرکت کر کے اسے خوشیاں عطا کرتی ہیں تو آپ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ دوسرے بھی آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور آپ کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھا کرتے ہیں۔''

''اوکے.....'' مجھ سے اپنے آنسو روکے نہیں جا رہے تھے اس لیے نظریں جھکائے کھڑی تھی..... اور سوچ رہی تھی کہ ندیم خان سامنے سے ہٹیں تو بھاگتی ہوئی اپنے کیبن میں چلی جاؤں اور خوب دل بھر کر روؤں۔

''اور ہاں..... اگر آپ کو اپنی سالگرہ کا گفٹ پسند نہیں آئے تب بھی ہمیں ضرور بتایئے گا۔''

''وہ کیوں.....؟'' حیرت سے پوچھا گیا۔

''تاکہ دیگر ورکرز کے سالگرہ گفٹس فرید کی بیوی سے نہ منگوائے جائیں۔''

اور میں پیکٹ اپنے بیگ میں ڈال کر اپنے کیبن میں آ گئی۔

آج یہ پہلا موقع تھا کہ میں خوش ہوتے ہوئے بھی اندر سے دکھی سی ہو رہی تھی۔
سرپرائز مجھے کبھی پسند نہیں تھے اور اس سرپرائز نے تو میری یادوں کے بہت سے زخم ہرے کر دیے تھے۔
''ناعمہ آج چھٹی سے واپسی پر میں تمہیں تمہاری کزن کے ہاں نہیں چھوڑ سکوں گی...... دراصل آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... میں یہاں سے سیدھی اپنی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی......'' میں نے قصداً جھوٹ بولتے ہوئے کہا...... کہ آج کہیں جانے اور کسی سے بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔
''نہ جاؤ تم...... مجھے بھی کون سا جانا ہے۔''
''مگر تمہاری تو فرسٹ کزن کی ڈھولکی ہے...... جو آج تمہاری جانب سے تھی...... ناعمہ کے اس طرح کہنے پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔
''نہیں بھئی، میں کہیں نہیں جا رہی۔ ایک دن میں صرف ایک ایونٹ اس سے زیادہ نہیں...... میں تو یہاں سے سیدھی اپنے گھر جاؤں گی......''
''مگر تم جو دو دن پہلے مجھ سے جو بکواس کر رہی تھیں؟''
''وہ تو کرنی ضروری تھی......'' وہ ہنسی...... اور ادھر اُدھر دیکھا۔
''مگر کیوں......؟ ایسی کیا آفت آ گئی تھی تم پر......''
''اسے آفت نہیں محبت کہو......'' اس نے انگلی اٹھا کر تصحیح کی۔
''کیا مطلب......!''
''ظاہر ہے...... اگر میں تم سے اس ٹائپ کی یہ باتیں نہ بتاتی تو کیا تم آج آفس میں اس طرح کا فینسی سوٹ پہن کر آ سکتی تھیں...... نہیں ناں......'' ناعمہ ہنس کر بولی۔
''تو تم نے میری سالگرہ کے لیے...... یہ جھوٹ بولا تھا۔''
''دیکھ لو...... دوستوں کی خوشی کے لیے خواہ مخواہ کے جھوٹ بول کر گناہ گار ہو جاتی ہوں۔''
''کیا تمہیں واقعی پتا نہیں تھا کہ آج تمہاری سالگرہ ہے......'' فرزانہ نے اس کے پاس آ کر اس انداز میں پوچھا جیسے آج کی اہم بات اس سے زیادہ کوئی دوسری نہ ہو۔
''مجھے معلوم تھا...... آج پچیس اپریل ہے۔''
''تو پھر اتنی حیرت کے مظاہرے کیوں کر رہی تھیں تم؟''
''مجھے واقعی اندازہ نہیں تھا۔''
''کس بات کا......؟''
''کہ تم لوگ میرے لیے اتنا خوب صورت اہتمام کرو گے......''
''یہ سب تمہیں اچھا لگا ہوگا......'' فرزانہ اب مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔
''پتا نہیں......''
''ارے ہم سب اتنے خوار ہوئے اور تمہیں پتا تک نہیں......''
''یہ بات نہیں ہے......'' میں نے اپنے حواسوں پر قابو پایا۔
''یہ بات نہیں ہے، وہ بات نہیں ہے تو پھر ہے کیا بات؟'' اب وہ جرح سی کر رہی تھی۔
''بہت اچھا لگا...... بے حد اچھا لگا...... اتنا اچھا...... کہ میں بتا بھی نہیں سکتی......'' یہ کہہ کر میں پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تھی۔

اُدھر فرزانہ اسے چپ کرواتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ کوئی بات ایسی ضرور ہے۔ جس کی وجہ سے، وہ یوں بھل بھل روئے جارہی ہے۔ جبکہ قدرے فاصلے سے کھڑا ندیم خان سوچ رہا تھا۔

''اتنی اچھی سالگرہ ہوئی، خوشی، خوشی صبا نے کیک کاٹا اور اب یوں رونا...... کیا یہ لڑکیاں خوشی کے مواقع پر بھی خوب دھوم دھام سے رویا کرتی ہیں یا پھر رونا ان کی ہابی ہوا کرتی ہے۔''

☆☆☆

''تمہاری پسندیدہ ہابی کیا ہے؟'' کریم محبت بھرے لہجے میں راحیلہ سے پوچھ رہا تھا۔

''آپ کا انتظار کرنا اور آپ کے لیے کوئی مزیدار سی ڈش بنانا۔'' راحیلہ نے شرماتے ہوئے بتایا۔

''یہ بھی بھلا کوئی ہابی ہوئی؟'' وہ ہنسا۔ ''اپنی خاص الخاص ہابی بتاؤ...... جو تمہاری اپنی ذات سے متعلق ہو۔''

''میری تو ہر بات آپ سے ہی شروع ہوتی ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا کوئی شوق نہیں مثلاً گھومنا، پھرنا یا مزے سے شاپنگ کرنا یا اسی طرح کا کوئی اور مشغلہ......'' بات کرتے ہوئے وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تو گھر میں رہنا اچھا لگتا ہے۔'' راحیلہ سادگی سے بولی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پر اپنے گھر والوں کی ذرا سی بھی چھاپ نہیں پڑی ہے۔''

''پتا نہیں......''

''تم بہت اچھی ہو راحیلہ بہت اچھی......'' وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔

''سنیے...... آپ بلاوجہ میری بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، میں تو معمولی شکل کی لڑکی ہوں، اپنی آپا جیسی تو بالکل بھی نہیں ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ پہلے آپ کو آپا پسند تھیں۔'' اس دن راحیلہ نے اپنے دل کی بات اس سے کہہ ہی ڈالی۔

''آج تو تم نے یہ سب کہہ دیا ہے مگر آئندہ یہ الفاظ اپنی زبان پر بھی مت لانا۔ تمہاری جیسی سانولی سلونی لڑکی ہی میری اصل محبت ہے اور یہ بات میں تم سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں تو کیا بلکہ دل سے دور، دور تک بھی شہلا کا کوئی وجود تک نہیں ہے۔ اور تمہاری آپا سے تو میں سخت نفرت کرتا ہوں۔'' اس کی ان باتوں پر راحیلہ حق دق سی رہ گئی کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔

☆☆☆

''مجھے صرف اور صرف تم ہی سے محبت ہے، جب ہی تو میں کوشش کے باوجود بھی تمہیں بھول نہیں پائی۔'' شہلا حارث کا خیال دل میں لیے کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں ڈالتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ انسان کے کردار کی دو منزلیں ہیں...... یا دل میں اتر جانا یا دل سے اتر جانا...... اور میں نہ جانے کون سی منزل پر ہوں کہ نہ تو وہ دل میں اترا تھا اور نہ ہی وہ دل سے اتر پایا تھا۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی آئے بغیر مسندِ دل پر براجمان ہو جائے۔'' آخر اس نے کاپی اور قلم اٹھا کر رکھ دیا۔

حارث کی بے رخی اس کی جان کو ہلکان کیے دے رہی تھی۔ اپنی بہن کی منگنی سے وہ یقیناً بہت خوش تھی...... مگر حارث کی بے حسی نے اسے جیتے جی مار دیا تھا، پتا نہیں وہ کہاں کھو گیا تھا وہ آس اور یاس کے چکر میں واقعی گھن چکر سی بنی ہوئی تھی۔ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی تھی وہ اس سے بھی قطعی ناواقف تھی...... یہی وجہ تھی کہ اس کی ہنسی بھی کہیں کھو سی گئی تھی۔

راحیلہ ہنس، ہنس کر اسے کریم کی باتیں سناتی اور وہ ہوں ہاں کرتی رہتی۔

''آپا تمہیں پتا ہے نہیں آئی...... کریم نے مجھے دو سو روپے کی آئس کریم کھلائی اور پانچ سو روپے کے نوٹ سے

میرا صدقہ اتار کر گھر میں کام کرنے والی مائی کو دے دیا، میں نے تو اسی وقت ان سے کہہ دیا اتنے دیالو تو آپ بھی نہیں تھے تو پتا ہے وہ کیا بولے۔''

''مجھے کیا پتا...... تم خود ہی بتا دو......'' وہ انتہائی غیر دلچسپی سے بولی تھی۔

''تم کو کسی کی نظر نہ لگے...... اور خاص طور پر ان کی جن کا کہیں رشتہ طے نہ ہوا ہو اور جن کی کوئی امید بھی نہ ہو......'' راحیلہ نے اسی طرح کریم کا جملہ دُہرایا...... جیسے اس نے ادا کیا تھا بلکہ اتنی بار دُہرایا تھا کہ اس کے دماغ سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اور وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی...... اس کی زندگی میں شاید دکھ کا گراف بڑھتا ہی جارہا ہے۔ یہ سوچ اس کے ہونٹوں تک بھی آئی مگر راحیلہ کی کسی بات پر اس نے کوئی رائے نہیں دی اور پھر دو دن کے بعد شہلا اپنے اسکول کی فیس جمع کرانے گئی تو حارث اپنی برانچ میں نہیں تھا۔

''کیا بات ہے......؟ آج منیجر صاحب ابھی تک نہیں آئے ہیں؟'' اس نے کیشئر سے پوچھا۔

''وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں...... دیر سے بھی آسکتے ہیں اور آنے کے بعد بھی کہیں باہر جاسکتے ہیں۔''

''اوہ...... یہ بات ہے۔'' اس نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا۔

''میڈم...... ان کا کوئی ہمارا جیسا رینک تھوڑی ناں ہے کہ ہم اپنی سیٹ سے بھی نہیں اٹھ سکتے۔'' کیشئر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے بڑی خوب صورتی سے ٹالا پھر دوسری اور تیسری مرتبہ وہ بینک گئی تو بھی اسے حارث نظر نہیں آیا۔ اس دفعہ اس نے ہمت کر کے سیکنڈ منیجر سے حارث کا پوچھا۔

''سر چھٹی پر ہیں...... آپ کو جو مسئلہ ہو ہم سے کہہ سکتی ہیں۔''

''حارث صاحب، کب تک آئیں گے، میرا مطلب ہے ان کی چھٹی کتنے دنوں کی ہے۔'' اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اس بارے میں میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اور شہلا اداس ہوگئی...... اور اس کے دل میں جیسے.... بے چینیوں نے دھرنا سا دے دیا۔

''میری قسمت بھی کتنی عجیب ہے، جب حارث نے یہ وعدہ کیا کہ وہ میری بات سنے گا تو اس نے بینک ہی آنا چھوڑ دیا۔'' شہلا نے اس کے موبائل پر بارہا کال کی...... مگر ہر مرتبہ موبائل اسے بند ہی ملا۔

''ہوسکتا ہے ان کا کسی دوسری برانچ میں ٹرانسفر ہوگیا ہو بینک کے منیجر ز بھی تو تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔'' راحیلہ نے اسے سمجھایا کہ اسکول سے آکر اس نے کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا تھا...... اور اگر بہ مشکل کھاتی بھی تو ایک دو لقمے کھا کر ہی اٹھ جاتی تھی۔

''اگر وہ کسی دوسری برانچ میں چلے گئے ہیں تو انہیں کم از کم مجھے بتانا تو چاہیے تھا اب میں ان کو کیسے ڈھونڈوں گی۔'' شہلا اچھی خاصی پریشان تھی اور چپ چاپ بیٹھی آنسو بہاتی رہتی۔

''ارے بھئی وہ کوئی اغوا تھوڑی ہوئے ہیں جن کا ملنا ناممکن ہو...... وہ یقیناً کسی دوسری جگہ چلے گئے ہیں تو مل جائیں گے اور اگر نہیں ملے تو آپ تلاش گم شدہ کا اشتہار دے دیجیے گا کہ جلدی لوٹ آؤ کسی کی حالت خراب ہے۔ واپس آنے پر کچھ نہیں کہا جائے گا...... بلکہ معقول ناشتا پانی کرایا جائے گا۔'' راحیلہ نے شرارت سے کہا۔ اس کا دل بہلانے کو مگر اس کی اس بات پر بھی اسے ہنسی نہیں آئی اور نہ ہی مسکراہٹ کی کوئی کرن اس کے لبوں پر رکی تھی۔

☆☆☆

ابا کی دوا لینے وہی جایا کرتی تھی وہ دوا لے کر مڑی ہی تھی اس نے دیکھا...... مین روڈ پر اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے حارث کسی سے بڑی سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

''سر السلام علیکم......!'' وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھی۔
حارث نے اس پر ایک اجنبی سی نظر ڈالی اور اپنی بات کرنے میں محو رہا۔
''سر، آپ نے مجھے کیا پہچانا نہیں......؟'' وہ جب موبائل آف کر کے جانے کو مڑا ہی تھا کہ وہ اس کے سامنے آ کر بولی۔
''مجھے آپ کو پہچاننے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر اس تیزی سے وہ وہاں سے روانہ ہوا کہ اگر وہ رک جاتا تو کہیں شہلا اس سے مزید سوال جواب کرنے کے لیے کھڑی نہ ہو جاتی کہ اس طرح سرِ راہ رک کر بات کرنا اسے پسند نہیں تھا۔
''یہ حارث تھا یا کوئی اور...... اس قدر اس کی آنکھوں میں بے گانگی تھی......'' وہ وہیں کھڑی سوچ رہی تھی۔
گاڑی دھول اڑاتی کب کی جا چکی تھی...... مگر اس کی سوچیں اسے مزید پریشان کیے جا رہی تھیں۔
ایک ایسا مہذب لڑکا...... جس نے اسے بارش میں پریشان کھڑا دیکھ کر اپنی گاڑی میں لفٹ تک دی تھی اور آج وہ کیسے کھل کھرے لہجے میں اس کو پہچاننے تک سے انکار کر رہا تھا۔ جیسے اس نے اسے آج تک دیکھا ہی نہیں ہو......اور وہ اس کے لیے بھی اجنبی ہو۔
اور پھر ہفتہ بھر بعد ہی وہ ایک کوریئر آفس سے نکل رہی تھی اور وہ اس میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ٹکرایا۔
''حارث...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟''
''کیوں، مجھے کیا ہوا ہے...... کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔'' وہ انتہائی بداخلاقی سے بولا۔
''آپ دراصل اپنے بینک نہیں آ رہے تھے تو میں پریشان ہو گئی تھی۔''
''کیوں...... ہو گئی تھیں آپ پریشان؟ میری آپ سے کیا کوئی رشتے داری ہے۔'' وہ تلخ سے لہجے میں بولا۔
یہ بھی اچھا ہی تھا کہ آس پاس کوئی تھا نہیں...... ورنہ وہ اپنی مزید سُبکی محسوس کرتی۔
''اب سامنے سے ہٹیں گی...... یا یونہی میرے سامنے پتھر بنی کھڑی رہیں گی۔'' وہ اب اسے اشکبار نظروں سے دیکھ رہی تھی...... کہ وہ مزید تلخی بھرے لہجے میں بولا۔
''اُف کیا ہو گیا ہے آپ کو...... آپ سے میں نے اس لیے بات کر لی، آپ ہمارے بینک کے منیجر تھے......'' وہ اپنے آپ پر قابو پا کر کہہ رہی تھی۔
''سنو، اب کوئی دوسرا آ گیا ہو گا وہاں منیجر...... اس کے پاس جا کر ایسی باتیں کرو...... ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی باتیں سن کر خوش بھی ہو جائے......'' وہ انتہائی سنگدلی سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
''پتا نہیں، وہ مجھے کیا سمجھ رہا تھا...... شاید ایسی لڑکی جو کسی اچھے لڑکے کو دیکھ کر بے وجہ لپکا کرتی ہے'' مگر اسے تو حارث سچ میں محبت تھی...... اس میں اپنا آئیڈیل نظر آیا کرتا تھا اور وہ کیسی دل توڑنے والی باتیں کہہ کر چلا گیا تھا۔ جیسے کہ وہ کوئی گری پڑی لڑکی ہو۔
گھر آ کر راحیلہ کو اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تو اس نے تو فوراً فیصلہ صادر کر دیا۔
''آپا...... میرا تو یہ پکا خیال ہے کہ حارث کی زندگی میں کوئی دوسری لڑکی آ گئی ہے...... اسی لیے وہ آپ سے اپنا پیچھا چھڑا رہا ہے۔''
''سنو...... ابھی میں اس کی زندگی میں داخل کہاں ہوئی تھی جو اس کو کوئی دوسری مل گئی۔''
''بھئی میں نے تو یہی سنا ہے کہ جب کوئی کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا تو وہ اس کو ایسے ہی کھری کھری سناتا ہے...... ایسا ہی رویہ تو آپ بھی کریم بھائی کے ساتھ روا رکھا کرتی تھیں اور اب آپ کے ساتھ حارث نے بھی وہی سب کیا تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب حارث میرا نہیں رہا۔'' وہ رونے کے لیے پر تولنے لگی۔

''آپ یہ یقین کیوں نہیں کرلیتیں کہ حارث کبھی آپ کا تھا ہی نہیں...... ورنہ وہ ایسے لہجے میں تو آپ کو ذلیل نہ کرتا۔'' راحیلہ نے دکھ سے کہا تو وہ یک دم چپ سی ہوگئی...... جیسے اب کچھ بولنے کے لیے کچھ باقی ہی نہیں بچا ہو۔

☆☆☆

آفس سے آکر...... میں اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی اور اس جگمگاتی شب میں ہونے والی آتش بازی کی ساری آگ میرے دل و دماغ میں چک پھیریاں سی لے رہی تھی۔

جب ایک دس سال کی لڑکی کی پندرہ سال کے لڑکے کے ساتھ اتنی دھوم دھام سے منگنی کردی گئی تھی کہ اکثر لوگوں کو تو کسی شادی کا ہی گمان ہورہا تھا۔

لڑکا عامر خانزادہ اس محلے کے سب سے بڑے حویلی نما مکان میں رہا کرتا تھا...... اور لڑکی کا اسی محلے میں سب سے چھوٹا گھر تھا۔ دو کمروں کا گھر جو شاید کسی مکان کا پیچھے کا کوئی غیر ضروری حصہ تھا (جو شاید کسی نے بیچ دیا ہوگا) مگر عامر کی نظر میں...... میری اہمیت کسی شہزادی سے کم نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے مجھ سے بڑھ کر کوئی دوسرا خوب صورت نظر آتا تھا اور نہ ہی وہ مجھے یا میرے گھر والوں کو کسی بھی لحاظ سے کم تر سمجھتا تھا۔

یہ وہ دور تھا...... جب ان دو دوستوں کی محبت دیکھ کر اہلِ محلہ ان کی دوستی کی مثالیں دیا کرتے تھے کہ کبیر احمد اور جہاں زیب کی دوستی بے حد گہری تھی۔

جہاں زیب کے جب گردے خراب ہوئے تو کبیر احمد نے انہیں اپنا ایک گردہ دے دیا تھا...... اور کبیر احمد کی جب ایک ٹانگ ایکسڈنٹ میں ختم ہوئی تو جہاں زیب نے ان کے لیے مصنوعی ٹانگ کا فوری بندوبست کردیا تھا۔

یہ دونوں دوست الگ، الگ قومیتوں کے ہونے کے باوجود محبت اور دوستی کے ایسے رشتے میں بندھے تھے کہ جنہیں ایک دوسرے کے سوا واقعی کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا...... وہ ایک دوسرے کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے اور جب عامر نے صبا سے شادی کی ضد کی تو جہاں زیب کو اس کی یہ بات اپنے دل کی ہی آواز لگی تھی۔

اور پھر ایسا بھی ہوا کہ جب عامر نے برملا کہنا شروع کیا کہ اسے صبا بہت اچھی لگتی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی ماں نے اسی لمحے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''اپنے خاندان میں کیا لڑکیاں نہیں ہیں جو ہم باہر سے اور اپنے سے کم گھرانے کی لڑکی لائیں گے۔''

''مگر مجھے تو صبا کے علاوہ کوئی لڑکی اچھی لگ ہی نہیں سکتی۔''

''بعد میں سب اچھی لگیں گی، ابھی تو بچہ ہے ناں......''

''اتنا لمبا تو میرا قد ہے...... میں کہاں سے بچہ نظر آتا ہوں۔''

''بیٹا...... تجھے کیا پتا...... کیا اچھا ہے کیا برا...... اس کے چھوٹے بھائی کو نہیں دیکھتا جو معذور پیدا ہوا تھا۔ اب کیا میں اپنے بیٹے کا رشتہ کسی معذوروں کے خاندان کی لڑکی سے جوڑوں گی۔''

مگر عامر کو تو ہر خوبی ہی صبا میں نظر آتی تھی...... اس نے اپنی ضد کو منوانے کے لیے پہلے کھانا پینا چھوڑا اور پھر پڑھائی بھی...... اس سے قبل کہ وہ گھر چھوڑ دینے کی دھمکی پر عمل پیرا ہوتا تب اس کی ماں راضی ہوئی تھی۔ مگر جہاں زیب خاں کے دل کی مراد ہی پوری ہوگئی تھی۔ اس کی دوستی اب رشتے داری میں تبدیل ہونے جارہی تھی اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

کبیر احمد اس کا دوست...... ایسا ہیرا صفت شخص تھا جس کی خوبیوں سے صرف وہی آگاہ تھا...... اور جس کی دیانت اور راست گوئی پر کبھی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور اب اس کی بیٹی اس کی بہو بننے والی تھی...... اپنی اس خوشی

میں اس نے اپنا پورا محلہ سجا دیا تھا۔ اس کی بیوی منع کرتی رہ گئی تھی...... مگر اس نے اپنے خاندانی زیورات اس منھی سی دلہن کو رونمائی میں چڑھا دیے تھے۔

''کچے رشتوں پر ایسے مال نہیں لٹایا جاتا...... ابھی یہ بچے ہیں، کل کیا ہوگا...... کسی کو کیا خبر...... مگر آپ کو تو اپنے مجنوں بیٹے کی خوشی کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آرہا ہے۔'' عامر کی ماں نے خاصا احتجاج کیا تھا۔

''تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ کچا ہے؟ ارے پکی زبان دی ہے ہم نے......''

''اچھا...... یہ منگنی نہیں ہوئی، کوئی نکاح ہوا ہے؟'' عامر کی ماں کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

''اب صبا ہی ہمارے عامر کی دلہن بنے گی۔ یہی پیاری سی لڑکی...... ہماری بہو ہے...... ہاں۔'' جہاں زیب خاں کا لہجہ آہنی سا تھا۔

''منگنی کے بعد دوستی کے رشتے میں مزید توانائی آگئی...... جہاں زیب خاں، کبیر احمد کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ عامر کو صبا کی باتیں...... اور زیادہ مسحور کُن لگنے لگیں۔ وقت کے ساتھ عامر کی ماں کے مزاج میں بھی بدلاؤ نظر آنے لگا...... اور رئیسہ بیگم اپنی ہونے والی بہو کا از خود خیال رکھنے لگیں۔

اب اعلیٰ گھی، اناج، ڈرائی فروٹس اور دیگر چیزیں وہ بڑی باقاعدگی سے اپنی ہونے والی بہو کے لیے لے کر جاتیں...... اور اس سے محبت بھری باتیں کرتیں۔

سب کچھ اچھا چل رہا تھا...... پتا نہیں ان کی خوشیوں پر کسی کی نظر لگی کہ ان روشنیوں کو اندھیروں نے نگل لیا...... اور وہ لوگ کراچی چھوڑ کر اپنے گاؤں ایسے گئے کہ پھر واپس پلٹے ہی نہیں...... اور پھر جب ان کو ڈھونڈا گیا تو وہ وہاں بھی نہیں تھے۔

☆☆☆

''کیا بات ہے...... آج آفس سے آتے ہی تم اپنے کمرے میں کیوں بند ہو گئیں؟'' امی تیسری مرتبہ جب میرے روم میں آئیں تو انہوں نے لائٹ جلا کر پوچھا۔

''اب تو مجھے اپنی زندگی کا ہر روزن بند ہوتا نظر آرہا ہے...... تو اس کے لیے میں اپنے آپ کو کہیں بھی بند کرلوں اس سے کیا فرق پڑے گا۔''

''بات کیا ہے آخر......؟''

''کچھ نہیں......''

''پھر کیوں اپنے آپ کو ایذا دے رہی ہو۔''

''میں تو کچھ نہیں کر رہی...... اور نہ ہی کچھ کر سکتی ہوں۔'' لہجہ پھیکا سا تھا۔

''صبو میری جان...... ایسا تم کب تک کرتی رہو گی؟''

''شاید تا حیات...... اور میں......''

''اللہ نہ کرے......'' امی نے میرے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''امی...... عامر...... میری ہر سالگرہ کا کتنا اہتمام کیا کرتا تھا...... اور کہتا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے اچھی تمہاری سالگرہ منائے تو تم یہ سمجھ لینا کہ تمہارا عامر مر گیا ہے۔ تمہاری سالگرہ میرے سوا کوئی منا ہی نہیں سکتا۔''

اب میں امی کو اپنے آفس میں بنائی جانے والی اپنی سالگرہ کا احوال بتا کر خوب زار و قطار رو رہی تھی۔

''ہاں مر ہی تو گیا ہے وہ...... تمہارے لیے اور ہمارے لیے بھی۔'' امی کا لہجہ خاصا بے رحم سا تھا۔

''ایسا تو نہ کہیں آپ...... اللہ اسے سلامت رکھے۔''

''اگر وہ زندہ ہوتا تو کیا وہ تمہیں ڈھونڈنے نہ آتا۔''

''وہ ضرور آیا ہوگا...... ضرور...... یہ میرا دل کہتا ہے۔''

''بکتا ہے دل تمہارا...... اور جتنا وہ اپنی محبتوں کے دعوے کیا کرتا تھا ناں اسے تو اس شہر کی مٹی بھی چھان لینی چاہیے تھی۔'' امی کے لہجے میں خاصی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''امی! وہ یقیناً آیا ہوگا، ہم بھی تو اُن کے جاتے ہی ابا کی بیماری کی وجہ سے پنجاب چلے گئے تھے...... اور پھر ابا کے انتقال کے بعد رحیم بھیا کے علاج کے لیے کہاں، کہاں نہیں بھاگتے پھرتے...... مگر وہ بھی ابا کے پاس چلا گیا...... ہوسکتا ہے عامر بھی ہمیں ڈھونڈتا پھر رہا ہو۔''

''خام خیالی ہے یہ تمہاری...... اور بس۔''

''اگر وہ نہیں آیا تو بعد میں آجائے گا...... مگر اس نے آنا ضرور ہے۔'' اس کا لہجہ میری سماعتوں میں آج بھی موجود تھا۔ میرا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''نہیں بیٹا...... نہ وہ پہلے آیا ہوگا اور نہ بعد میں کبھی آئے گا۔''

''مگر کیوں......؟''

''وہ اس لیے کہ رئیسہ بیگم نے اپنے بیٹے کی ضد کو دیکھ کر تم سے منگنی تو کردی تھی اور بظاہر دنیا دکھاوے کے لیے تمہیں عامر کی منگیتر بھی کہنا شروع کردیا تھا۔ مگر وہ دل سے نہ تمہیں پسند کرتی تھیں اور نہ ہی وہ اس رشتے کے لیے تیار تھیں۔''

''مگر آنٹی تو بعد میں مجھ سے بہت پیار کرنے لگی تھیں۔''

''سب دکھاوا تھا اُن کا...... ورنہ بیٹا ہاتھ سے نکل جاتا۔''

''تو کیا عامر کا بھی دکھاوا تھا...... آپ کے خیال میں؟''

''اس کا بچپنا تھا...... کم عمری میں جو اچھا لگے...... جو پسند آجائے، اسی پر محبت کا تمغہ سجا دیا جاتا ہے...... ایسا ہی کچھ اس کے ساتھ بھی تھا۔''

''نہیں امی...... آپ غلط کہہ رہی ہیں، عامر مجھ سے بہت محبت کرتا تھا...... وہ کہیں کھو تو ضرور گیا ہے مگر واپس بھی ضرور لوٹے گا۔ اب اس وقت وہ تیس برس کا ہوگا کوئی بچہ نہیں...... جب وہ لوگ یہاں سے گئے تھے واقعی بھائی کے کسی قتل کے کیس میں ناگہانی پھنس جانے کا سن کر گئے تھے...... واقعی پریشانی کی بات بھی تھی۔''

''مگر وہ پھر لوٹے ہی نہیں...... دراصل اُن کو یہاں سے بھاگنے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا۔'' امی مسلسل یہی کہہ رہی تھیں۔

''آپ تو کسی کی پریشانیوں کو بھی بہانوں کا نام دے دیا کرتی ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کے چاچا کو پھانسی ہوگئی ہو...... ان کے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ہو...... یا جھوٹے مقدمے میں ان کے چاچا پر مقدمہ چل رہا ہو...... وہ لوگ پریشانیوں کے جال میں الجھتے چلے گئے ہوں۔''

''تمہاری بات اگر میں کسی حد تک ٹھیک بھی مان لوں تو عامر کے بڑے ماموں کراچی آکر ان کے سارے مکانات کیوں بیچ گئے اور کسی محلے والے کو یہ بات بتا کر نہیں دی کہ وہ لوگ گئے تو کہاں گئے۔''

''اب ان باتوں کا یہ مطلب تو نہیں کہ عامر کبھی آئے گا ہی نہیں......'' میں نے امی سے بار ہا سنی ہوئی باتوں سے بدظن ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... اگر تم آنکھیں بند کر کے جینا چاہو تو شیخ چلی کی سی زندگی آج بھی گزار سکتی ہو۔''

''آپ کے خیال میں، میں آنکھیں بند کر کے جی رہی ہوں؟''

''بالکل......!''

''توبہ ہے امی...... آپ بھی کہاں کی بات کہاں لے جاتی ہیں۔''

''بیٹا...... تم نے اپنی آنکھیں بند ہی تو کر رکھی ہیں جب ہی تو برسوں پرانی باتیں تمہیں آ کر رُلایا کرتی ہیں۔تم جب آنکھیں بند کر کے اپنے ماضی میں گھوموگی تو ساری پرانی باتیں آج کی سی ہی تو لگیں گی۔''

''تو کیا کروں...... دفن کر دوں اپنی یادوں کو......'' میری آواز بھرّا گئی۔

''ہاں کر دو دفن...... اب تم کوئی چھوٹی سی بچی نہیں رہی ہو۔ پچیس سال کی لڑکی ہو...... اور اب تک تو تمہاری شادی ہو جانی چاہیے تھی۔ اور میری بات یاد رکھو...... لڑکی چاہے کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہو...... عمر رسیدہ ہو جائے تو اسے کوئی پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

اس موضوع پر امی اگر بات کرنی شروع کرتی تھیں تو چپ ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

''پلیز امی......! چپ ہو جائیں آپ جانتی ہیں کہ نہ تو مجھے شادی سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی ان باتوں سے...... مگر آپ پھر بھی مجھے بار، بار اسی ٹائپ کی باتیں سنایا کرتی ہیں۔''

''بیٹا یہ ایسا کھرا سچ ہے کہ اگر آج تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تو کل ضرور آ جائے گا...... یہ دور فلمی محبتوں کا نہیں ہے...... اب تو حاضر کی محبت بھی محبت نہیں رہی...... تو گم شدہ کی محبت کیسے محبت کے خانے میں فٹ ہو سکتی ہے۔''

''آپ کچھ ہی کہیں...... مگر میں اپنی اسی بات پر قائم ہوں...... جو وعدہ میں نے عامر کو دیا تھا...... عامر نہیں تو کوئی نہیں۔'' ''یہی میں نے اس سے کہا تھا۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔''اور یہی بات میں آپ سے کہتی آئی ہوں اور کہتی رہوں گی۔ میں بے وفا نہیں ہوں اور نہ ہی میرا عامر......''

''کاش تم اپنے آپ کو کسی طلسماتی دنیا کا کردار سمجھنا چھوڑ سکو...... تب تمہیں اپنی ماں کی بات بھی سمجھ میں آ جائے گی کہ جانے والوں کا اتنا لمبا انتظار نہیں کیا جاتا۔''

''امی انتظار کی مدت ہر شخص کی اپنی، اپنی سکت کے مطابق ہی ہوتی ہوگی اور مجھ میں ابھی بہت ہمت ہے...... میں اس کی راہ دیکھ رہی ہوں...... اور دیکھتی رہوں گی۔''

''صبا بیٹا...... عامر کے ساتھ تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا...... جو تم اس کی پابند بنی بیٹھی ہو...... تمہاری تو اس کے ساتھ صرف منگنی ہوئی تھی جس کی شرعی طور پر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' اب فرح خالہ بھی امی کی کمک کے لیے آ چکی تھیں۔

''ہاں...... کاش میرا اس کے ساتھ نکاح ہی ہو جاتا...... تاکہ مجھے کوئی یوں تنگ تو نہیں کیا کرتا۔''

''تم شاید اپنے آپ کو بہت قابل سمجھ رہی ہو جو ہر ایک کی بات تمہیں غلط لگا کرتی ہے۔ تمہاری ماں غلط، تمہاری خالہ غلط...... دیگر سمجھانے والے غلط...... حالانکہ اب دیکھو...... غلط تو خود عامر کی باتیں ہو رہی ہیں۔'' فرح خالہ کا لہجہ اب تمسخرانہ سا تھا۔

''عامر کہاں غلط ہے؟'' مجھے پھر تاؤ آ گیا۔

''عامر نے تم سے کہا تھا ناں...... کہ وہ کسی کو تمہاری سالگرہ منانے نہیں دے گا...... یہی کہا تھا ناں؟'' انہوں نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

''ہاں......''

''اب تم خود ہی دیکھ لو...... تمہاری سالگرہ تمہارے آفس میں کیسے شان سے منائی گئی...... اور تم کسی کو نہ روک سکیں اور نہ ٹوک سکیں۔'' میں واقعی چپ سی ہو گئی۔

واقعی اس بات کا تو میرے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

جاری ہے